مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ خالد ربوہ

تبلیغ 1351
فروری 1972

پیشگوئی مصلح موعود کے
حقیقی مصداق

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی
رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ـ ایڈیٹر ـ
سید عبدالحی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اِسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

"تیری عاجزانہ راہیں اس کو پسند آئیں"

(الہام المسیح الموعودؑ)

"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی"

(المصلح الموعودؓ)

ماہنامہ خالد ربوہ

جلد ۱۸ | تبلیغ ۱۳۵۱ ہش، فروری ۱۹۷۲ء | شمارہ ۲

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ

سید عبدالحی شاہد ایم۔اے

نائبین

عبدالکریم خالد، عرفان احمد خان

ترتیب

چندہ سالانہ - - - چھ روپے
فی پرچہ - - - ساٹھ پیسے
بیرون پاکستان بذریعہ ہوائی ڈاک ۲۰ روپے
" " بحری " ۹ روپے
(مبارک احمد خالد مینجر ماہنامہ "خالد" ربوہ)

پبلشر:۔ محمد شفیق قیصر
مطبع:۔ ضیاء الاسلام پریس ربوہ
مقامِ اشاعت:۔ دفتر ماہنامہ "خالد"
دار الصدر جنوبی ربوہ

پیشگوئی مصلح موعود

خدائے رحیم و کریم بزرگ و برتر نے جو ہر ایک چیز پر قادر ہے (جلّ شانہٗ و عزّ اسمہٗ)
مجھ کو اپنے الہام سے مخاطب کرکے فرمایا کہ

"میں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں اُسی کے موافق جو تُو نے مجھ سے مانگا سو میں نے تیری تضرعات کو سُنا اور تیری دُعاؤں کو اپنی رحمت سے بپایۂ قبولیت جگہ دی اور تیرے سفر کو (جو ہوشیار پور اور لودھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کر دیا۔ سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے اور فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔ اے مظفر! تجھ پر سلام۔ خدا نے یہ کہا تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں موت کے پنجہ سے نجات پاویں اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آویں اور تا دینِ اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو اور تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے اور تا لوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں اور تا وہ یقین لائیں کہ میں تیرے ساتھ ہوں اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے اور خدا کے دین اور اُس کی کتاب اور اُس کے پاک رسول محمد مصطفےٰ ؐ کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ایک کھُلی نشانی ملے اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے۔

سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک زکی غلام (لڑکا)

تجھے ملے گا۔ وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذرّیت و نسل ہو گا۔

خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے اس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے اسکو مقدس روح دی گئی ہے اور وہ رجس سے پاک ہے وہ نور اللہ ہے۔ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے۔

اس کے ساتھ فضل ہے جو اُس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔ وہ صاحبِ شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا۔ وہ دُنیا میں آئیگا اور اپنے مسیحی نفس اور رُوح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت و غیوری نے اُسے کلمۂ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا اور دل کا حلیم۔ اور علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا (اس کے معنی سمجھ نہیں آئے)۔ دو شنبہ ہے مبارک دو شنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند۔ مَظْهَرُ الْأَوَّلِ وَالْآخِرِ۔ مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعُلَاءِ كَأَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ۔ جس کا نزول بہت مبارک اور جلالِ الٰہی کے ظہور کا موجب ہو گا۔ نُور آتا ہے نُور جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی رُوح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اُس کے سر پر ہو گا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اُس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطۂ آسمان کی طرف اُٹھایا جائیگا۔ وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا۔"

(اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء)

حضرت المصلح الموعودؓ کی یادمیں

تُو نے کی مشعلِ احساس فروزاں پیارے
دل بھلا کیسے بُھلا دے ترا احساں پیارے

رُوحِ پژمردہ کو ایماں کی جِلائیں بخشیں
اور انوار سے دھو ڈالے دل وجاں پیارے

ولولوں نے تیرے ڈالی مہ وانجم پہ کمند
تُو نے کی سطوتِ اسلام درخشاں پیارے

اب وہی دینِ محمدؐ کی قسم کھاتے ہیں
تھے جو مشہور کبھی دشمنِ ایماں پیارے

پہلے بخشا مرے بہکے ہوئے نغموں کو گداز
پھر مری رُوح پہ کی درد کی افشاں پیارے

مجھ کو بھُولے گی کہاں وہ تری بھرپُور نگاہ
جگمگا اُٹھتا تھا جب فکر کا ایواں پیارے

اب نگاہیں تجھے ڈھونڈیں بھی تو کس جا پائیں
جانے کب پائے سکوں پھر دلِ ویراں پیارے

کون افلاک پہ لے جائے یہ رودادِ اَلَم
تیرا متوالا ابھی تک ہے پریشاں پیارے

رُوح پھرتی ہے بھٹکتی ہوئی ویرانوں میں
دل ہے نیرنگیٔ افلاک پہ حیراں پیارے

شکرِ ایزد تیری آغوش کا پالا آیا
اپنے دامن میں لئے دولتِ عرفاں پیارے

فکر میں جس کی سرایت تری تخییل کی ضَو
گفتگو میں بھی وہی حسن نمایاں پیارے

جس کی ہر ایک ادا نافلۃً لک کی دلیل
جس کی ہر ایک نوا درد کا عنواں پیارے

تیری اس شمع کا پروانہ صفت ہو گا طواف
تیرے ثاقبؔ کا ہے اب تجھ سے یہ پیماں پیارے

(ثاقبؔ زیروی)

بیرونی ممالک میں تبلیغ اسلام کے ایمان افروز واقعات

(تقریر مکرم محترم مولوی محمد اسحاق صاحب مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ بر موقع سالانہ اجتماع مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ۱۹۷۱ء)

مجھے مغربی و مشرقی افریقہ میں تبلیغ کرتے بیس سال کا عرصہ ہو چکا ہے۔ اس دوران مجھے سیرالیون، گھانا، گیمبیا اور یوگنڈا میں بطور مبلغ و مبلغ انچارج کام کرنے کا موقعہ ملا ہے اور لائبیریا میں مجھے جماعت کا پہلا مشن قائم کرنے کی توفیق ملی ہے۔ سوائے گھانا کے جہاں مجھے ایک سال سے بھی کم عرصہ خدمت کرنے کا موقعہ ملا باقی چاروں مذکورہ ممالک میں مجھے سالہا سال تک خدمتِ اسلام کی سعادت نصیب ہوئی۔ چنانچہ ان چاروں ممالک میں تبلیغ کے دوران پیش آنے والے سینکڑوں واقعات میں سے چند ایک واقعات آپ کے گوش گزار کرتا ہوں۔

۱۔ سب سے پہلے میں سیرالیون کو لیتا ہوں۔ کیونکہ ۱۹۴۶ء میں میری پہلی تقرری حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اسی ملک میں ہوئی تھی اور روکوپر کا چھوٹا سا شہر میری قیامگاہ بنا۔ اس وقت ہمارے مشن کے پاس ایک کچا پرائمری سکول تھا جو شہر سے بالکل باہر تھا اور ہمارا مقابلہ ایک امیر عیسائی امریکن مشن بنام W.A سے تھا جن کا سکول شہر کے عین وسط میں تھا۔ کئی سال یہ مقابلہ جاری رہا اور بالآخر عیسائی مشن کو اپنی شکست کا اعتراف کرنا پڑا۔ اور انہوں نے نہ صرف سکول بند کر دیا بلکہ انہیں اس شہر سے بھی چلتے بنی۔

اب ایسے وقت میں جبکہ تبلیغ اسلام کی راہ ہموار ہو گئی تھی اور بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہم بہت جلد مکمل کامیابی سے ہمکنار ہو جائیں گے۔ ایک بدبخت مسلمان Town Chief کی شامتِ اعمال نے اسے آگھیرا اور وہ اس مشن والوں کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ تم واپس آؤ میں احمدیوں کے خلاف تمہاری مدد کروں گا۔ بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ عیسائیوں کو اس سے زیادہ کیا چاہیئے تھا کہ اسلام کے خلاف خود ایک مسلمان ہی کمربستہ ہو کر ان کی مدد کو آگیا ہے۔ چنانچہ دوسرے سال کے شروع میں ہی انہوں نے اپنا یہ سکول پھر کھول دیا۔

مجھے اس مسلمان چیف کی اس اسلام دشمنی کا سخت صدمہ ہوا اور میں نے اسلام کا درد رکھنے والے ایک مسلمان کے پاس اپنے اس درد و کرب کا ذکر کیا۔

اُس نے بھی اس واقعہ پر اظہارِ افسوس کیا اور ہماری
کوششوں کو سراہتے ہوئے محنت سے کام جاری رکھنے
کی تاکید کی اور پھر قرآن پاک کی یہ آیت بھی پڑھی کہ
والعاقبة للمتقین - چنانچہ ہم نے اپنے سکول
کے کام میں پوری توجہ دینی شروع کر دی اور ساتھ ہی
دعا بھی کرتے رہے - قربان جائیں اس پاک مولیٰ کے کہ
جس نے ہماری حقیر کوششوں کو نوازا اور اسی سال
اس عیسائی مشن نے دوبارہ اپنا نہ صرف روکو پر والا
سکول بند کیا بلکہ اس علاقہ کے چار پانچ اور سکول بھی
بند کر دیئے اور اب ان سب جگہوں پر صرف ہمارے
ہی سکول قائم ہیں اور اب گزشتہ ماہ سے اسی شہر
میں ہمارا ہسپتال بھی قائم ہو چکا ہے - فالحمد للہ
علیٰ ذالک -

اللہ تعالیٰ نے جہاں عیسائیت کو احمدیت کے
بالمقابل خائب و خاسر کیا وہاں اس عدو اسلام ٹاؤن
چیف کو بھی ایک عبرت آموز سزا دی - اس کی کیفیت
یہ ہے کہ اپنی اسلام دشمنی کے اس واقعہ کے کچھ عرصہ
بعد وہ اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ ایک شادی پر جانے
کے لئے اُس شہر کے سامنے بہنے والے ایک گہرے
دریا میں ایک کشتی پر سوار ہونے لگا - جونہی اُس نے
کشتی کے اندر قدم رکھا معاً اس کے لاؤ لشکر نے
بھی دوڑ کر کشتی میں سوار ہونے کی کوشش کی جس کے
نتیجہ میں کشتی ایک طرف اُلٹ گئی اور وہ چیف دریا
میں گر گیا - اور چونکہ اُسے تیرنا نہیں آتا تھا اور ہر ایک
نفسا نفسی کے عالم میں تھا اسلئے چند منٹ کے اندر اندر
وہ شخص ڈوب گیا اور دُنیا کے لئے احمدیت کی سچائی
کا نشان ٹھہرا - حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے
اس قسم کے دشمنوں کے لئے کیا ہی خوب فرمایا ہے کہ

اے آنکہ سوئے من بدویدی بصد تبر
از باغباں بترس کہ من شاخِ مثمرم

۲- میرے تبلیغی عرصہ سے تعلق رکھنے والا
دوسرا ایمان افروز واقعہ ملک لائبیریا میں وقوع پذیر
ہوا جہاں مجھے احمدیت کا پہلا مشن قائم کرنے کا موقعہ ملا -
اور ۴½ سال تک وہاں نخلِ احمدیت کی آبیاری کی
سعادت بھی نصیب ہوئی - یہ واقعہ عجیب نوعیت کا ہے
اور جہاں یہ میری ذات سے خصوصی تعلق رکھتا ہے
وہاں اس بات کا بھی قطعی ثبوت ہے کہ مبلغ صحیح معنوں
میں ناقة اللہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی خاص
حفاظت کا انتظام بھی خود ہی کر دیتا ہے -

میرے عرصہ قیام لائبیریا میں میرا صدر مقام
اس ملک کا دارالحکومت منروویا تھا جہاں اللہ تعالیٰ
کے فضل و کرم سے میرے تعلقات بڑے بڑے
مسلمانوں سے نہایت عمدہ تھے اور وہ مجھے بڑی قدر و
منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے -

ایک دفعہ منروویا کے ایک رئیس مسلمان کے
ہاں سینیگال کا ایک ازہر سے فارغ التحصیل عالم
آیا - یہ مسلمان رئیس اس عالم کو اس ملک کے پریذیڈنٹ
مسٹر ولیم ٹب مین سے ملانا چاہتا تھا لیکن مشکل یہ تھی کہ
اس مسلمان رئیس کو نہ عربی آتی تھی اور نہ انگریزی اور
اس عالم کو عربی تو آتی تھی لیکن انگریزی نہ آتی تھی اور

پریذیڈنٹ صاحب کے ساتھ چونکہ صرف انگریزی میں ہی گفتگو ہو سکتی تھی اسلئے ان کو ایک ترجمان کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس شہر میں ان کی اس ضرورت کو صرف نمائندہ احمدیت یعنی خاکسار ہی کما حقہٗ پورا کر سکتا تھا اسلئے یہ دونوں میرے پاس آئے اور اپنی حاجت بیان کی۔ اب ہمیں چونکہ طبعاً ہر مسلمان سے ہمدردی ہوتی ہے اسلئے مَیں نے ان کی حاجت روائی کے لئے حامی بھر لی جس کے بعد وہ پریذیڈنٹ صاحب سے وقت لینے میں مصروف ہو گئے۔ لیکن خدا کا کرنا یوں ہوا کہ پریذیڈنٹ صاحب شہر سے کوئی ۱۰۰ میل دور اپنے فارم پر جانے والے تھے اسلئے انہوں نے کہا کہ مجھے وہاں آ کر ملو۔ اب جس روز ان دونوں اصحاب نے پریذیڈنٹ صاحب سے ملنے اُن کے فارم پر جانا تھا اس کا ذکر چونکہ انہوں نے مجھ سے نہیں کیا تھا اسلئے اتفاقاً مَیں اُس روز صبح خود ایک تبلیغی دَورہ پر چلا گیا اور میرے جانے کے بعد وہ میرے مکان پر آئے اور مجھے وہاں نہ پا کر اکیلے ہی چلے گئے۔ شام کو میری واپسی پر مجھے ان کی آمد کا علم ہوا اور مجھے افسوس ہوا کہ مَیں اُن کی حاجت روائی میں اُن کی مدد نہ کر سکا لیکن مجھے کیا علم تھا کہ اُس مالکِ حقیقی نے کس طرح میری جان بچانے کا سامان خود ہی کیا تھا۔

واقعہ یوں ہوا کہ جب یہ دونوں اصحاب پریذیڈنٹ صاحب سے ملاقات کر کے خوش و خرم بمعہ اپنے اہل و عیال کے واپس آ رہے تھے تو منزوویا شہر سے صرف ۳ میل کے فاصلہ پر سڑک کا ایک گول موڑ تھا اور اس کے معاً بعد سڑک کے عین بیچ ایک سیمنٹ سے لدا ہوا ٹرک بوجہ خرابیٔ انجن کھڑا ہوا۔ یہ دونوں اصحاب بمعہ اپنے متعلقین کے ایک نئی اور تیز رَو امریکن کار میں آ رہے تھے اور جونہی یہ موڑ مڑے تو اُن کی کار کی سپیڈ اس قدر تیز تھی کہ وہ روکے نہ رُک سکی اور ٹرک کے نیچے جا گھسی اور یہ لبنان رئیس، اس کی بیوی، اُن کا بچہ اور ڈرائیور موقعہ پر ہی ہلاک ہو گئے اور وہ ازہری عالم بھی بُری طرح زخمی ہوا اور کئی دن ہسپتال میں رہنے کے بعد قدرے صحتیاب ہو کر واپس سینیگال چلا گیا۔

اِس واقعہ کے بعد مَیں نے جس قدر بھی اِس پر غور کیا میرا یقین اللہ تعالیٰ کی ذات پر پختہ سے پختہ تر ہوتا چلا گیا کہ مبلغین احمدیت بلاشک ناقۃ اللہ ہیں اور اللہ تعالیٰ اُن کی خود اپنی جناب سے خاص حفاظت فرماتا ہے ورنہ کون کہہ سکتا ہے کہ مَیں اپنے جذبۂ ہمدردی میں ان لوگوں کے ساتھ ان کی کار میں چلا جاتا تو اِس حادثہ میں میرا کیا حال ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا مجھے ایک تبلیغی دَورہ پر بھجوا دینا اور ان کی معیت سے روک دینا صاف بتلاتا ہے کہ احمدی مبلغین ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اُن کے جان و مال کی خود حفاظت کرتا ہے۔ اِس قسم کے متعدد واقعات ہماری زندگی میں ہوئے ہیں لیکن یہ ایک واقعہ صرف بطور نمونہ بیان کیا ہے۔

۳۔ تیسرا ایمان افروز واقعہ ملک گینیا سے

تعلق رکھتا ہے اور یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے
اس الہام کی روزمرہ تصدیق کا ایک نمونہ ہے کہ
ینصرک رجال نوحی الیھم من السماء۔

یہ واقعہ یوں ظہور پذیر ہوا کہ ۱۹۶۲ء میں جب
میری تقرری ممباسہ میں ہوئی تو وہاں سے ایک اخبار
نکلا کرتا تھا جس کا نام تھا ممباسہ ٹائمز۔ اس اخبار میں
ہر ہفتہ کے روز ایک مضمون عیسائیت کے متعلق نکلا کرتا
تھا جس کا عنوان Saturday Christian
Column ہوا کرتا تھا۔ میں نے جب یہ کالم دیکھا
تو معاً میرے دل میں خیال آیا کہ اے کاش اس اخبار
میں کوئی Friday Muslim Column
بھی نکلا کرے۔

اس کام کے لئے ایک عظیم جدوجہد کی ضرورت
تھی جس کا آغاز میں نے ایڈیٹر کے نام خط لکھ کر کیا اور
اُسے توجہ دلائی کہ وہ عیسائی کالم کی طرح اپنے اخبار میں
ایک اسلامی کالم بھی شروع کرے۔ ایڈیٹر ایک
متعصب یورپین عیسائی تھا اسلئے پہلے تو اس نے
میرے خط کا جواب ہی نہ دیا جس پر ایک روز میں
اس کے دفتر میں اُسے جا ملا اور اس معاملہ کی طرف
توجہ دلائی۔ اس پر پہلے تو اس نے یہ عذر کیا کہ مسلمان
کالم کے لئے کوئی لکھنے والا نہیں ہے۔ اور جب میں
نے یہ کہا کہ یہ مشکل میں حل کر دوں گا تو اس نے اپنا پیچھا
چھڑانے کے لئے کہا کہ تم چونکہ ایک خاص فرقہ کی
نمائندگی کرتے ہو اور یہ کالم سب مسلمانوں کے لئے
ہوگا اسلئے بہتر ہوگا کہ تم مسلم ایسوسی ایشن کے پریذیڈنٹ
کے پاس جاؤ وہ اگر کہہ دے تو پھر تم بے شک یہ کالم
لکھ لیا کرنا۔

اس مسلم ایسوسی ایشن کا پریذیڈنٹ ایک غیور
پاکستانی مسلمان تھا اور جب میں اس کے پاس گیا اور
سب واقعہ بیان کیا تو اُس نے اُسی وقت میرے
سامنے اس عیسائی ایڈیٹر کو ٹیلیفون کیا۔ اُس وقت
اس عیسائی کا تعصب کھل کر سامنے آگیا اور قرآن پاک
کی اس آیت کی تصدیق ہوگئی کہ:۔

قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ
وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ اَكْبَرُ

یہ شخص اُس مسلمان پریذیڈنٹ کو کہنے لگا کہ یہ شخص احمدی
ہے اور احمدیوں کو عام مسلمان مسلمان نہیں سمجھتے۔ اس پر
اس غیور مسلمان کو بہت غصہ آیا اور اس نے میرے
سامنے اس عیسائی ایڈیٹر کو ڈانٹا اور کہا کہ ظفر اللہ خان
ہمارے پاکستان کا U.N.O میں نمائندہ ہے،
(اُن دنوں مکرم چوہدری صاحب ایک سال کے لئے
U.N.O کی جنرل اسمبلی کے پریذیڈنٹ تھے) کیا تمہارے
خیال میں وہ مسلمان نہیں ہے اور کیا اس عظیم اسلامی
سلطنت کی نمائندگی نعوذ باللہ ایک کافر کر رہا ہے؟
اس پر وہ ایڈیٹر بہت شرمندہ ہوا اور کھسیانی ہنسی
ہنس کر کہنے لگا کہ بہت اچھا یہ مضمون لکھا کریں اور
میں اسے اسلامی کالم کے ماتحت شائع کر دیا کروں گا۔
چنانچہ جب تک میں وہاں رہا یہ کالم بفضلہ تعالیٰ
ہر ہفتہ شائع ہوتا رہا اور سب مسلمان اسے بنظر استحسان
دیکھتے رہے بلکہ ایک دفعہ جب ایک متعصب مسلمان نے

اس کے خلاف کچھ تھوڑی سی آواز اُٹھائی تو ایک اور مسلمان عرب عالم نے اسی اخبار میں میری تائید میں ایک خط لکھا اور اس متعصب مسلمان کو خوب ڈانٹا۔ پس یہ واقعہ بھی اُن واقعات میں سے ایک ہے جو اپنے اندر تائیدِ الٰہی رکھتا ہے اور ازدیادِ ایمان کا باعث ہے۔

۴۔ چوتھا ایمان افروز واقعہ جو میدانِ تبلیغ میں میرے ساتھ گزرا اُس کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۹۶۲ء میں مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے ہماری کمپالہ کی مسجد کا افتتاح کیا جس کے بعد مجھے اس مشن کا انچارج بنا دیا گیا۔ اُن دنوں میرے ساتھ مکرم حکیم محمد ابراہیم صاحب میرے رفیقِ کار اور معاون تھے۔ میرے چارج لینے کے تھوڑے دنوں بعد کمپالہ میں ایک مشہور عیسائی پادری کینیڈا سے آیا جو علم مسمریزم کے ذریعہ سے بعض بیماریوں کا وقتی علاج کرتا تھا اور یہ مشہور کرتا تھا کہ اُس کے یہ معجزے عیسائیت کی صداقت کا ثبوت ہیں۔ چنانچہ اس کی آمد پر بڑے بڑے اشتہار شائع کر کے شہر میں جگہ جگہ لگا دیئے اور اخباروں کے صفحات کے صفحات اس کی آمد کو شہرت دینے کے لئے بغرض اشتہار خرید لئے گئے۔

ایک عیسائی پادری کی اپنے مذہب کی برتری ثابت کرنے کی یہ کوشش سب مذاہب والوں کے لئے بالعموم اور مسلمانوں کے لئے بالخصوص ایک چیلنج تھا لیکن کسی شخص کو اُسے چیلنج کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ایسے نازک موقعہ پر صرف جماعت احمدیہ کے پہلوان ہی کام آئے اور مَیں اپنے مذکورہ بالا رفیقِ کار مکرم حکیم محمد ابراہیم صاحب کو ہمراہ لے کر اس شخص کی قیامگاہ پر پہنچا۔ وہ شخص خود تو ہمارے سامنے نہ آیا البتہ اس کا میزبان جو اُن کے مشن کا اس مُلک میں انچارج بھی تھا ہمارے پاس آیا اور ہم سے ہمارے آنے کی غرض پوچھی۔ جس پر مَیں نے اُسے کہا کہ مَیں احمدیہ مشن کی کمپالہ برانچ کا انچارج ہوں اور ہمارے آنے کی غرض یہ ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کا یہ پادری ہمارے ساتھ دعائیہ مقابلہ کرے تا لوگوں پر سچائی کھل جائے۔

ہمارا یہ کہنا تھا کہ اُس نے خود آ کر کہا کہ خدا کے لئے آپ اخباروں میں ایسی کوئی بات نہ لکھیں البتہ آپ تحریراً اپنا مقصد بیان کریں اور آپ کو جواب دیا جائے گا جس پر ہم نے اُس سے اُن کے مشن کا ایڈریس لے لیا اور واپس آتے ہی مَیں نے اُسے ایک رجسٹرڈ خط لکھا کہ ہم اس بات پر تیار ہیں کہ ہمیں ایسے بیمار جن کے متعلق ڈاکٹری تصدیق ہو کہ یہ ناقابلِ علاج ہیں ہم آدھے آدھے آپس میں بانٹ لیں اور نصف کے متعلق آپ دعا کریں اور نصف کے متعلق ہم دُعا کریں اور پھر جس فرقہ کے مریض شفا پا جائیں وہ فرقہ سچا سمجھا جائے۔ اور ساتھ ہی مَیں نے یہ لکھا کہ اگر دو تین دن تک آپ کی طرف سے اس خط کا کوئی جواب نہ آیا تو پھر مَیں اس خط کی نقل اخباروں کو بھجوا دوں گا۔

قرآن پاک کی اس آیت کہ:۔

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ
الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ
زَهُوْقًا ۝

کا نظارہ اُن دنوں خاکسار اور ہماری کمپالہ کی جماعت نے بچشم خود دیکھا جبکہ اُس پادری کی طرف سے ہمیں کوئی جواب نہ ملا اور مَیں نے حسب وعدہ سب بڑے بڑے اخباروں کو اپنے اُس مذکورہ بالا خط کی نقلیں بھجوا دیں اور ان اخباروں نے جلی عنوانوں کے ساتھ نمایاں جگہوں پر ہمارے اس چیلنج کا ذکر کیا اور اس طرح عیسائیت کو شکست فاش ہوئی اور احمدیت کو اسلام کی نمائندگی میں ایک فتح عظیم حاصل ہوئی۔ اکثر مسلمانوں نے ہمارے مشن کو اسلام کے لئے اس قدر غیرت دکھانے پر مبارک باد دی۔ اور خود حکومت کے ریڈیو نے بھی اپنی خبروں میں اس خبر کو اچھی طرح نشر کیا اور سارے یوگنڈا میں اس بات کا خوب چرچا ہوا کہ احمدیہ مشن نے عیسائی پادری کو چیلنج کیا اور وہ میدانِ مقابلہ سے بھاگ گیا ہے۔

اس واقعہ سے جہاں ہمارے ایمانوں کو تازگی نصیب ہوئی وہاں ہمیں اس بات پر بھی پختہ یقین ہو گیا کہ عیسائیت روحانی لحاظ سے بالکل کھوکھلی ہے اور اسلام کی صحیح نمائندگی صرف اور صرف احمدیت ہی کر سکتی ہے ورنہ کیا وجہ ہے کہ عیسائی پادری احمدیت کے چیلنج کو قبول نہ کر سکا اور کوئی مسلمان فرقہ اس عیسائی پادری کے مقابل پر نہ آسکا۔

پس اے احمدیت کے نونہالو! تم اپنے ایمانوں کو پختہ کرو اور اپنی زندگیوں میں معجزات کا مشاہدہ کرو۔ تا تمہیں روحانی زندگی حاصل ہو اور تم دُنیا کے لئے اس زمین پر حجۃ اللہ بن سکو۔ آمین۔ وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین ؛

بقیہ از صفحہ ۱۴

دَور کو اُسے اپنے بازوؤں میں لے لیا اور اس طرح خدا تعالیٰ نے ہماری جانیں بچائیں۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔ اور اس کے بعد اب تک اللہ تعالیٰ خدمتِ دین کے مواقع عاجز کے لئے پیدا کر رہا ہے اور عاجز کی اللہ تعالیٰ سے دلی خواہش ہے کہ اسی خادمانہ حیثیت میں ہی عاجز کی موت واقع ہو اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ عاجز کو سرخرو فرمائے آمین

جب کبھی میں اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو یاد کرتا ہوں تو میرے جسم کا رُواں رُواں اللہ تعالیٰ کے حضور سجداتِ شکر بجا لاتا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ صرف یہ ایک احسان ہی باقی ہزاروں احسانوں کا حامل ہے۔

اے خداوندِ عالم میں کمزور ہوں ضعیف ہوں اور ناتواں ہوں مگر تو بہت بڑی طاقتوں والا ہے محض اپنی قدرت سے عاجز کے بچوں اور پھر ان کی نسل در نسل میں سے تا قیامت اسلام اور احمدیت کے سچے خادم سچے ہمدرد اور بہادر جرنیل پیدا فرماتا رہ اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمام دعاؤں کو جو کہ اولاد کے حق میں ہیں۔ عاجز کی اولاد کے حق میں بھی احسن رنگ میں قبول فرما کر بہترین نتائج پیدا فرما کہ بجز [illegible] آمین۔ آمین یا ربّ العٰلمین ؛

محترم مقبول احمد صاحب ذبیح
مبلغ سیرالیون (مغربی افریقہ)

انسانی زندگی کے چالیس سال

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں :-

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ط حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ط وَحَمْلُهُ وَفِصٰلُهُ ثَلٰثُونَ شَهْرًا ط حَتّٰى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ج إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِي أَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ط وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ۝ (سورۃ الاحقاف آیت ۱۶-۱۷)

ترجمہ :- اور ہم نے انسان کو اپنے والدین سے احسان کی تعلیم دی تھی کیونکہ اس کی ماں نے اس کو تکلیف کے ساتھ پیٹ میں اُٹھایا تھا اور پھر تکلیف کے ساتھ اس کو جنا تھا اور اس کے اُٹھانے اور اس کے دُودھ چُھڑانے پر تیس ۳۰ مہینے لگے تھے پھر جب یہ انسان اپنی کامل جوانی یعنی چالیس سال کو پہنچ گیا تو اس نے کہا اے میرے رب! مجھے اس بات کی توفیق دے کہ مَیں تیری اس نعمت کا شکریہ ادا کروں جو تُو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی ہے اور اس بات کی بھی توفیق دے کہ مَیں ایسے اچھے اعمال کروں جن کو تُو پسند کرے اور میری اولاد میں بھی نیکی کی بنیاد قائم کر۔ مَیں تیری طرف جھکتا ہوں اور مَیں تیرے فرمانبردار بندوں میں سے ہوں۔

(جو لوگ ایسا کریں گے) وہی لوگ ایسے ہونگے جن کے اچھے اعمال ہم قبول کریں گے اور ان کی بدیوں سے ہم درگزر کرینگے۔ یہ لوگ جنت میں جائیں گے۔ یہ ایک سچا وعدہ ہے

جو شروع (پیدائش آدم) سے مومنوں
سے کیا جا رہا ہے۔"

یہ ارشادِ ربانی ہر اُس شخص کو یہ یاد دہانی
کرا رہا ہے جو کہ اپنی زندگی کے چالیس سال پورے
کر کے اکتالیسویں سال میں قدم رکھ رہا ہو۔ کہ وہ
اللہ تعالیٰ کی ان بے شمار نعمتوں اور برکتوں کو ذہن
میں لائے جو کہ اُس نے اس کے والدین پر کی ہیں۔
اور پھر اس چالیس سالہ عمرِ زندگی میں جس قدر نعماء
اور رحمتیں خدا تعالیٰ نے اس پر کی ہیں اور اس کے
جسم کا ذرہ ذرہ ان انعامات کا شاہد ہے تو ان
تمام نعماء، برکتوں اور رحمتوں پر اللہ تعالیٰ کا
بے حد شاکر و ممنون ہو۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی زندگی
کے باقی سالوں میں اپنے انعامات کو مزید اضافہ
کے ساتھ اس پر جاری و ساری رکھ سکے۔ نہ صرف
اسی حد تک رُک جائے بلکہ اپنی اولاد کی بہتری و
بہبود کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کے حضور جھکے اور
اس سے ان کے لئے اُس کے فضلوں، انعامات،
رحمتوں اور برکتوں کا طالب ہو۔ تاکہ اس کی اولاد
کی صحیح تعلیم و تربیت ہو کر یہ سلسلہ اس کی اولاد در
اولاد میں تا قیامت چلتا چلا جائے۔

سیدنا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ
فرماتے ہیں:۔

"مَیں نے جماعت میں مجلس
خدام الاحمدیہ کی بنیاد رکھی ہے۔
میری غرض اس مجلس کے قیام سے
یہ ہے کہ جو تعلیم ہمارے دلوں میں
دفن ہے اُسے ہوا نہ لگ جائے
بلکہ وہ اس طرح نسلاً بعد نسلٍ دلوں
میں دفن ہوتی چلی جائے۔ آج وہ
ہمارے دلوں میں دفن ہے تو کل
وہ ہماری اولاد کے دلوں میں دفن
ہو اور پرسوں اُن کی اولاد کے
دلوں میں۔ یہاں تک کہ یہ تعلیم ہم
سے وابستہ ہو جائے۔ ہمارے
دلوں کے ساتھ چمٹ جائے اور
ایسی صورت اختیار کر لے جو دُنیا
کے لئے مفید اور بابرکت ہو۔ اگر
ایک یا دو نسلوں تک ہی یہ تعلیم محدود
رہی تو کبھی ایسا پختہ رنگ نہ دیگی
جس کی اس سے توقع کی جاتی ہے۔"
(مشعلِ راہ شائع کردہ خدام الاحمدیہ
مرکزیہ صفحہ ۸۲)

حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد مندرجہ
بالا ارشادِ ربانی کی بالکل حرف بحرف صحیح اور
درست تفسیر ہے۔ تربیتِ اولاد وہ دُرِّ بے بہا
ہے جسے حاصل کئے بغیر انسانی پیدائش کی غرض
ہرگز پوری نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس میں
کامیاب کرے۔ آمین

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہایت مختصر مگر
اپنے معانی و مطالب کے لحاظ سے بہت ہی جامع

ہے۔ جتنا زیادہ انسان اس کو پڑھے گا اور اسکے
معانی پر غور کرے گا اتنا ہی زیادہ اللہ تعالیٰ کی
محبت میں بڑھ کر لذت و سرور حاصل کرے گا۔
نیز اللہ تعالیٰ کے احسانات جو اس کے والدین
اور خود اس کی ذات پر ہیں۔ ان سے دل میں
شکر و امتنان کے جذبات پیدا ہو کر خدا تعالیٰ
کے ذکر سے دل بھر جائے گا اور دوسرے ہی
لمحے وہ پکار اٹھے گا کہ اے خدا نہ صرف ایسے ہی
بلکہ ان سے بڑھ کر انعامات و افضال اور اپنی
رحمتیں اور برکتیں میری اولاد کو بھی عطا فرما تا کہ
وہ تیری محبت میں ترقی کریں اور دین کے سچے
خادم، سچے ہمدرد اور بہادر جرنیل ثابت ہوں۔
اور اے خدا تو ان پر ایسے عظیم الشان فضل کر
کہ وہ تیرے شکر گزار بندے بنیں۔ آمین

موجودہ وقت میں اللہ تعالیٰ کا کتنا عظیم الشان
احسان ہے جو کہ اس نے ہمارے بزرگوں اور والدین
پر کیا کہ اس نے ان کو امام وقت کی شناخت اور
پھر اس پر ایمان لانے کی توفیق دیکر انہیں اپنے
افضال و انعامات کے جذب کرنے کی توفیق دی
اور اس تعلیم و تربیت کی روشنی میں جو انہوں نے
براہ راست امام وقت علیہ الصلوٰۃ والسلام
سے یا بالواسطہ آپؑ کے خلفاء کرام سے حاصل
کر کے احمدیت کی صحیح لائنوں پر ہماری تربیت کی
اور ہمیں اس قابل بنایا کہ ہم دین کی خدمت کی
توفیق پا سکیں۔

اس میں یقیناً سوچنے اور سمجھنے والوں کیلئے
اس سے بڑھ کر اور کوئی انعام نہیں ہے۔ وہ کونسی
برائی ہے جو دنیا میں اس وقت نہیں پائی جاتی۔ وہ
ممالک جو کہ تہذیب کا گہوارہ سمجھے جاتے ہیں وہاں پر
بھی لوگ بہائم کی طرح زندگیاں گزارتے ہوئے نظر
آتے ہیں۔ اس کے مقابل پر سیدنا حضرت مسیح موعود
علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ اس گئے گزرے زمانہ
میں اگر ہمیں اللہ تعالیٰ کی محبت، رضا، خوشنودی اور
انعامات حاصل ہو جائیں اور یقیناً ہمیں حاصل ہو رہے
ہیں تو ہماری یہ انتہائی خوش بختی ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دلی طور پر یہ امید اور توقع
رکھتے ہیں کہ وہ ہماری اولادوں کو بھی تا قیامت اپنی
مقدس راہوں پر چلا کر اپنے عظیم الشان انعامات
کا وارث بنائے گا۔

یہ عاجز راقم ۱۳/ظہور ۱۳۵۰ ہش (مطابق
۱۳/اگست ۱۹۷۱ء) کو اپنی زندگی کے چالیس سال
پورے کر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مندرجہ بالا ارشاد
کی روشنی میں عاجز اس قادر و قیوم کا بے حد شکرگزار
ہے کہ خاکسار کے والدین کرام پر اس نے نہایت ہی
بڑے احسانات فرمائے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ عاجز
اس وقت احمدیت کی ٹھنڈی اور پرسکون فضا میں
سانس لے رہا ہے۔ بچپن کا زمانہ اور گاؤں کی پرخطر
زندگی کا تصور جب کبھی میرے ذہن میں آتا ہے تو
جسم میں ایک کپکپی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور دوسرے
ہی لمحے اللہ تعالیٰ کی حمد سے دل بھر جاتا ہے کہ

والدین کرام کی بدولت عاجز کو پہلے قادیان دارالامان اور پھر ربوہ دارالہجرۃ کے پاکیزہ ماحول میں پروان چڑھنے کا موقعہ ملا۔ ایک دفعہ پھر نہیں بلکہ بار بار اللہ تعالیٰ کے احسانات کا جو اُس نے عاجز کے والدین پر کئے شکریہ ادا کرتا ہوں اور اللہ تعالےٰ سے متمنی ہوں کہ وہ مجھے ہر حال میں نیک اور مناسب حال اور پسندیدہ اعمال بجالانے کی توفیق دیتا چلا جائے تا آنکہ اس دُنیا سے رخصت ہو جاؤں۔

یوں تو میرے جسم کا ہر ذرہ خدا تعالےٰ کے بے شمار احسانات کو لئے ہوئے ہے مگر خاکسار اس وقت صرف ایک احسان پر اکتفا کرتا ہے جو کہ باقی سارے احسانات کا متحمل ہے۔

۱۹۴۷ء میں جب مُلک کا بٹوارہ ہو کر مملکتِ خداداد پاکستان معرضِ وجود میں آ چکی تھی تو عاجز مع اپنے چند ساتھیوں کے ایک ایسے مقام پر سکھوں کے نرغہ میں پھنس گیا کہ وہاں سے بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔

ہُوا یوں کہ ہم تین چار لڑکے ایک مکان میں تھے کہ اچانک سکھ آ گئے۔ اُس وقت مدافعت کے لئے ہمارے پاس کوئی سامان نہیں تھا اور پھر وہ گاؤں بھی دوسرا اور ۹۸ فیصد سکھوں کی آبادی پر مشتمل تھا۔ ہم اپنے بچاؤ کے لئے مکان کے ایک پچھلے کمرہ میں چلے گئے اور دروازہ بند کر لیا۔ ان کمروں کے آگے برآمدہ تھا اور اس کے چھ دروازوں کو کواڑ لگے ہوئے تھے۔ ایک سکھ نے پانچ دروازے بند کر لئے اور برچھے کے آگے برچھا لے کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اب تمہارے لئے سوائے اس راستے کے بچ نکلنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے جب بھی نکلو گے برچھے سے ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کے نتیجہ میں ان پُرخطر حالات کو دیکھ کر دعا کی طرف توجہ پیدا ہوئی اور عاجز نے رَبِّ کُلُّ شَیْءٍ خَادِمُکَ رَبِّ فَاحْفَظْنِیْ وَانْصُرْنِیْ وَارْحَمْنِیْ کی دُعا کو دہرانا شروع کر دیا۔ خدا تعالیٰ شاہد ہے کہ ابھی چند منٹ ہی گزرے تھے کہ دل کا تمام خوف و ہراس جاتا رہا اور اس کی جگہ سکون و اطمینان نے لے لی۔

خدا تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک مسلمان شخص بنام ابراہیم جو کہ سکھوں کے اس گاؤں میں ایک مدت سے رہ رہا تھا اُس کا ایک رشتہ دار لڑکا بھی میرے ساتھ اندر تھا اور اُس نے اتفاق سے ہمیں اندر بند ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اُس نے سکھ کو جو کہ اس کا دوست تھا کہا کہ یہ نادان لڑکے ہیں انہوں نے تمہیں کیا نقصان پہنچانا ہے۔ بہتر ہے کہ ان کو جانے دو۔ لیکن وہ سکھ تھا کہ ماننے میں ہی نہیں آتا تھا۔ بالآخر تھوڑی سی بحث کے بعد وہ مان گیا اُس نے ابراہیم کے کہنے پر ہمیں چھوڑ تو دیا لیکن ہمیں صاف بچتا دیکھ کر سکھ کے دل میں پھر بربریت پیدا ہوئی اور وہ خون آشام آنکھوں کے ساتھ برچھا ہاتھ میں تھامے ہمارے پیچھے لپکا۔ ابراہیم نے

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

سید کلیم محمود
کراچی

قرونِ اولیٰ کے مسلمان نوجوانوں کا جذبۂ جہاد

(۱)

حضرت عکرمہؓ بن ابوجہل کے مجاہدانہ کارناموں سے تاریخ کے اوراق مزین ہیں۔ شام پر فوج کشی ہوئی تو فحل کے معرکہ میں شامل تھے اور نہایت بے جگری سے لڑتے ہوئے دشمنوں کی صفوں میں گھس جاتے۔ سر، سینہ اور تمام جسم زخموں سے چھلنی ہو چکا تھا۔ لوگوں نے ازراہِ ہمدردی کہا کہ اس طرح اپنے آپ کو ہلاکت کے منہ میں نہ ڈالیں۔ تو جواب دیا کہ لات و عزیٰ کے لئے تو جان پر کھیلا کرتا تھا اور آج خدا اور رسول کے لئے لڑنے کا وقت آیا ہے تو کیا جان کو عزیز رکھوں؟ خدا کی قسم! ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

(۲)

معرکہ یرموک میں حضرت خالدؓ بن ولید نے حضرت عکرمہؓ کو ایک دستے کا افسر مقرر کیا۔ دشمن کثیر تعداد میں تھا اور اس نے ایسا حملہ کیا کہ مجاہدین اسلام کے قدم ڈگمگا گئے۔ حضرت عکرمہؓ نے یہ حالت دیکھی تو باآوازِ بلند پکارے کہ کون موت پر بیعت کرتا ہے؟ فوراً چار سو جانباز سامنے آموجود ہوئے اور خدا کی راہ میں جانیں لڑا دینے کا عزم کر کے دشمن پر ٹوٹ پڑے اور اپنے اس عہد کو ایسی دیانتداری سے نباہا کہ اکثر نے جامِ شہادت نوش کیا اور جو باقی بچے وہ بھی زخموں سے چور تھے۔

(۳)

غزوہ بدر کے وقت حضرت رافعؓ بن خدیج کی عمر صرف چودہ سال تھی مگر شوقِ جہاد کا یہ عالم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہو کر شریکِ جنگ ہونے کی اجازت طلب کی مگر آپؐ نے کم سنی کی وجہ سے واپس کر دیا۔ اگلے سال اجازت ملی مگر ایک اور نوعمر لڑکے سمرہؓ بن جندب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کم سنی کی وجہ سے اجازت نہ دی۔ اُس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے رافع کو اجازت دے دی ہے حالانکہ مَیں کُشتی میں اس کو گرا لیتا ہوں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو بھی اجازت دے دی۔

(۴)

غزوہ بدر کے وقت حضرت انسؓ کی عمر صرف بارہ سال تھی مگر میدانِ جنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پہنچے اور آپؐ کی خدمت بجالاتے رہے۔ غزوہ اُحد کے وقت آپ کی عمر تیرہ سال تھی لیکن اس میں بھی شریک ہوئے۔

۵

حضرت ابو محجن ثقفیؓ بہت آخری زمانہ میں مشرف
بہ اسلام ہوئے اسلئے ان کا ذکر عہد فاروقی میں ہی نظر
آتا ہے۔ جس زمانہ میں ایران پر مسلمانوں نے فوج کشی کی
یہ کسی وجہ سے قید تھے لیکن جہاد کے شوق نے اس قدر
بے تاب کر دیا کہ قید سے فرار ہو کر میدانِ جنگ میں
جا پہنچے۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے
سپہ سالارِ لشکرِ اسلام حضرت سعد بن ابی وقاصؓ
کو لکھا کہ انہیں گرفتار کر کے قید کر دیا جائے۔ چنانچہ
وہیں قید کر دیئے گئے۔

جنگِ قادسیہ لڑی جا رہی تھی یہ اس وقت
پابند سلاسل تھے۔ لیکن میدانِ جنگ کے واقعات
سن کر رگوں میں خون جوش مار رہا تھا۔ حضرت سعدؓ کی
بیوی سلمیٰ سے کہا کہ مجھے آزاد کر دو کہ میدانِ جنگ
میں جا کر دادِ شجاعت دوں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ
اگر زندہ بچ گیا تو خود بخود آ کر بیڑیاں پہن لوں گا۔
انہوں نے انکار کیا تو ایسے درد انگیز اشعار پڑھنے
لگے کہ حضرت سلمیٰ کا دل بھر آیا اور انہوں نے آزاد
کر دیا۔ چنانچہ میدانِ جنگ میں جا پہنچے اور ایسی شجاعت
سے لڑے کہ جس طرف نکل جاتے دشمنوں کی صفیں
الٹ دیتے۔ صحابہ کرامؓ آپ کی شجاعت کو
دیکھ کر عش عش کر اٹھے۔

۶

حضرت سعد بن خثیمہؓ جنگ بدر کے وقت کم عمر
تھے تاہم شرکت کے لئے تیار ہو گئے۔ چونکہ آپ کے
والد بھی میدانِ جنگ میں جا رہے تھے اسلئے انہوں نے
کہا کہ ہم میں سے ایک کو ضرور گھر پر رہنا چاہیئے اور
بیٹے کو گھر رہنے کے لئے کہا۔ بیٹے نے جواب دیا کہ
اگر حصولِ جنت کے علاوہ کوئی اور موقعہ ہوتا تو بسر و چشم
آپ کے ارشاد کی تعمیل کرتا اور اپنے آپ پر آپ کو ترجیح دیتا
لیکن اس معاملہ میں میں ایسا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔
آخر فیصلہ اس بات پر ٹھہرا کہ قرعہ ڈال لیا جائے۔ چنانچہ
قرعے میں بیٹے کا نام نکلا اور وہ جنگ میں شریک ہوئے
اور شہادت پائی۔

۷

حضرت واثلہ بن اسقعؓ ایک نوجوان صحابی تھے
جو ۹ھ میں اسلام لائے۔ چند ہی دن بعد غزوہ تبوک
کی تیاری شروع ہوئی اور مجاہدین سر پر کفن باندھ کر میدان
جنگ کی طرف روانہ ہو گئے لیکن اس نومسلم کے پاس
سواری نہ تھی۔ بہت کوشش کی مگر کوئی صورت نہ بن سکی۔
اِدھر شوقِ جہاد نے بے تاب کر رکھا تھا۔ مدینہ کی گلیوں
میں دیوانہ وار صدائیں لگانے لگے کہ کون شخص مجھے مالِ
غنیمت کے عوض تبوک پہنچانے کا ذمہ لیتا ہے۔ اتفاق سے
ایک انصاری بزرگ ابھی روانہ نہ ہوئے تھے انہوں نے حامی
بھری اور کہا کہ میں لے چلوں گا۔ کھانا بھی دوں گا اور سواری
بھی۔ اِس طرح آپ میدانِ جنگ میں پہنچے اور جہاد میں شامل ہوئے۔

صحابہؓ کا یہ عدیم المثال نمونہ ہمارے لئے اسوۂ حسنہ
ہے۔ آپ کا عظیم جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت ہمارے
لئے مشعلِ راہ ہے۔ خدا کرے کہ ہم اپنی زندگیاں صحابہؓ
کے نمونوں کے مطابق ڈھال سکیں +

محترم مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری
مبلغ انچارج فجی مشن

ہم کو تو صرف اپنے خدا پر گھمنڈ ہے

اہلِ وفا کو اپنی وفا پر گھمنڈ ہے
اہلِ ستم کو جور و جفا پر گھمنڈ ہے

گلہائے رنگا رنگ کو ہے رنگ و بُو پہ ناز
اور گلشنوں کو بادِ صبا پر گھمنڈ ہے

اترا رہی ہے پہلو میں غنچوں کے عندلیب
اس کو بھی اپنے ذوقِ نوا پر گھمنڈ ہے

شمس و قمر کو ناز ہے گر اپنے نور پر
انجم کو اپنی اپنی ضیا پر گھمنڈ ہے

عاشق مگن تصورِ جاناں میں رات دن
اور مہ رُخوں کو اپنی ادا پر گھمنڈ ہے

صوفی کو ناز اپنے تصوف پہ ہے مدام
بیکس گدا کو اپنی صدا پر گھمنڈ ہے

ناصح کو اپنی پند و نصائح پہ ناز ہے
زاہد کو اپنے زہد و تقا پر گھمنڈ ہے

عالم کو اپنے علمِ لدنی پہ ہے غرور
عاقل کو اپنی عقلِ رسا پر گھمنڈ ہے

دولت جنہیں ملی ہے وہ دولت میں ہیں مگن
مفلس کو اُن کی جُود و عطا پر گھمنڈ ہے

مردوں کو زورِ بازو پہ اپنے ہے اعتماد
عورت کو اپنی آن و حیا پر گھمنڈ ہے

بدلے ہیں طور ایسے زمانے کے آجکل
اہلِ خطا کو اپنی خطا پر گھمنڈ ہے

القصہ اس جہاں میں جدھر بھی نظر کریں
ہر اک کو اپنی اپنی ادا پر گھمنڈ ہے

ہم احمدی ہیں سیدِ کونین کے غلام
ہم کو تو صرف اپنے خدا پر گھمنڈ ہے

صدیق تُو بھی اپنے خدا ہی پہ رکھ نظر
تجھ کو بھی تو اُسی کی عطا پر گھمنڈ ہے

محترم جناب سید ادریس احمد عاجزؔ عظیم آبادی

تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ کے طلبہ سے

طلباء دہم سے ہے میری التجائے دردمند
فضلِ حق تعالیٰ سے ہیں سب باشعور و ہوشمند

بوستانِ احمدیت کے گُلِ تازہ ہیں آپ
رُوئے دینِ سیدِ لولاکؐ کے غازہ ہیں آپ

وہ بھی وقت آئیگا جب ہونگے شریکِ امتحاں
ہے دُعا اپنی کہ ہوں سب کامگار و کامراں

ہیں نگاہیں آپ پر ماں باپ اور استاد کی
آپ کے ہمجولیوں کی قوم کے افراد کی

یاد رکھنا لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی
یہ خدا کا قول ہے قرآں میں آیا بر ملا

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا پیشِ نظر ہر دم رہے
قولِ حق پر آپ کا یہ سر ہمیشہ خم رہے

ابتدائے آفرینش سے یہی دستور ہے
کامرانی کوششِ پیہم ہی میں مستور ہے

مردِ مومن کام کرنے سے کبھی تھکتا نہیں
ہر قدم آگے رکھے پیچھے کبھی ہٹتا نہیں

سُستیاں غفلت شعاری کام مومن کا نہیں
وقت کو بیکار کھونا کام مومن کا نہیں

مردِ مومن کام میں لگ جاتا ہے دیوانہ وار
ہر گھڑی رہتا ہے وہ بیدار و چوکس ہوشیار

کوششیں انساں کی ہوتی ہیں اُس دم بارور
شاملِ احوال جب ہوتا ہے فضلِ دادگر

عزمِ راسخ ہو اگر تو جھک پڑے یہ آسماں
پتھروں سے چشمہ ہائے آب ہو جائیں رواں

ہے یہ ربوہ قادرِ مطلق کا تابندہ نشاں
عزمِ سلطان البیانؓ کی اک انوکھی داستاں

وہ بھی دن تھے جبکہ ویرانوں میں تھا اس کا شمار — آج دیکھو ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں لالہ زار

قوم کے پیارے سپوتو آپ سے ہے التجا — صدق دل سے رات دن کرتے رہو محنت سدا

اور ملک صاحب[1] جو کرتے ہیں نصائح آپ کو — گوشِ دل سے انکو سنیو اور عمل پیرا رہو

گر گورنر بھی بنو اسلام کو نہ چھوڑنا — شرع کے احکام سے یہ منہ نہ ہرگز موڑنا

آپ ہی سے ہوگا قائم دین کا جاہ وجلال — آپ ہی سے ہے مقدر حزبِ شیطاں کا زوال

یہ دعا ہے اے خدائے مالک وخالق قدیر — اے دعائیں سننے والے بیکسوں کے دستگیر

رکھ نگاہِ لطف ان بچوں پہ اپنے فضل سے — جھولیاں تو سب کی بھر دے اپنے مہر وفضل سے

ان کے جو دشمن ہیں سب ہو جائیں بس خوار وذلیل — تیرے ہی قبضے میں سب طاقت ہے اے ربِّ جلیل

قلب میں ہو ان کے عشقِ احمدِ خیر الوریٰ — اور مسیحائے زماں پہ جان ودل سے ہوں فدا

آخری دم تک خلافت سے یہ وابستہ رہیں — خدمتِ دیں کے لئے ہر دم کمربستہ رہیں

ان پہ ہیں اپنی امیدیں اور تمنائیں تمام — سایۂ لطف وکرم تیرا رہے ان پر مدام

کر عطا ہیڈ ماسٹر صاحب کو وہ عمرِ دراز — باسلامت تندرست وکامران وسرفراز

دوسرے استاد بھی سب خرم وشاداں رہیں — علم کی ترویج میں سب رات دن کوشاں رہیں

ان سے پہنچے عظمتِ ربوہ کو وہ اوج وکمال — دیکھ کر حیراں ہوں سب دشمنانِ بدخصال

از طفیلِ سیّدِ بطحا شہنشاہِ زمن
کر قبول یہ سب دعائیں اے خدائے ذوالمنن

---

[1] مکرم ملک حبیب الرحمٰن صاحب ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ +

عاصم صحرائی

لکھیں گے اپنے خون سے پھر داستانِ نَو

اللہ کا جو سر پہ ہمارے کرم رہے
دشمن کی کیا مجال، مقابل پہ جم رہے

ہم نے کیا ہے ایک ایک لمحہ کو جاوداں!
تاریخ کی نظر میں ہمیں محترم رہے

ہر دَور میں ملی ہیں ہمیں عظمتیں ندیم!
ہم لوگ ظلمتوں میں بھی ثابت قدم رہے

لکھیں گے اپنے خُون سے پھر داستانِ نَو
دشمن غرور کے نشے میں گم رہے

عاصم ہمیں بھی ارضِ مقدّس کی ہے قسم
لڑتے رہیں گے کفر سے جبتک کہ دم رہے

ڈاکٹر سید ظہور احمد شاہ صاحب
واقفِ زندگی۔ ربوہ

(قسط دوم)

فجی

آبادی:۔ فجی کے اصل باشندے تو افریقہ کے حبشی النسل لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اندازاً عرصہ دس پندرہ ہزار سال قبل یہ لوگ مصر کی اُس سرزمین میں رہتے تھے جسے آجکل "بادشاہوں کی وادی" (Valley of Kings) کہتے ہیں۔ وہاں دیگر قبائل سے ان کی جنگ ہوگئی اور یہ لوگ دریائے نیل کے منبع کی طرف چل پڑے اور جھیل ٹانگانیکا کے گرد آباد ہوگئے۔ کچھ عرصہ کے بعد یہاں بھی اِن لوگوں کی جنگ مقامی قبائل سے ہوگئی جس کے نتیجہ میں اِن کو ٹانگانیکا (جو آج کل تنزانیہ میں شامل ہے) چھوڑنا پڑا۔ فجی میں اب بھی اُن کے خاص تہواروں میں جو گیت گائے جاتے ہیں اُن میں "ٹانگانیکا" کے الفاظ آتے ہیں۔ انہوں نے بڑے بڑے لکڑی کے شہتیروں کو آپس میں جوڑ کر کشتیاں بنائیں اور ان میں سوار ہو کر مشرق کی طرف جدھر سے ان کا سورج دیوتا طلوع ہوتا ہے چل پڑے۔ قیاس ہے کہ راستہ میں انہوں نے جنوبی ہند کے ساحل پر قیام کیا ہوگا کیونکہ ان کی بعض رسوم مدراسیوں کی رسوم سے ملتی ہیں۔ بہرحال ان کی کشتیاں مجمع الجزائر فجی کے قریب پہنچ گئیں۔ یہاں پر ان کو سمندری طوفان نے گھیر لیا اور کشتیاں جزائر یسا وا سے جا ٹکرائیں۔ وہاں سے روانہ ہو کر یہ جزائر فجی کے سب سے بڑے جزیرے وِتی لیوو پر پہنچ گئے۔ انہوں نے کشتیاں وہیں چھوڑیں اور اپنے سردار کے ہمراہ جزیرہ کے مشرق کی طرف چل پڑے۔ اِس جزیرہ میں اتنے گھنے جنگلات اور پہاڑیاں ہیں کہ ان کو عبور کرنا ناممکن نظر آتا ہے۔ لیکن یہ لوگ اِن سب کو عبور کر کے مشرقی کنارہ پر پہنچ گئے اور وہیں ڈیرے ڈال دیئے اور اِس طرح سے یہ جزیرہ اور دیگر جزائر جو غیر آباد تھے انہوں نے آباد کئے۔

پہلے لکھا جا چکا ہے کہ پہلے یہاں کوئی مردم آزار چرند پرند اور درند نہیں تھا اسلئے یہ لوگ بلا خوف و خطر وہاں رہنے سہنے لگے۔ سمندری شکار بصورت مچھلی، کیکڑا، کچھوا، جھینگا، وھیل وغیرہ وافر تھا۔ اِن پر گزارہ کرتے تھے۔ سبزی کے لئے یہ لوگ اپنے ساتھ جڑھ والی سبزیاں لائے تھے جن کو اگر ایک دفعہ لگا دیا جائے اور جڑھ نکال کر اِس کے اُوپر کا سرا دوبارہ زمین میں گاڑ دیا جائے تو کچھ دنوں میں پھر ایک موٹی بھاری جڑھ بن جاتی ہے۔ ڈالو، کسیرا اور انناس وغیرہ اسی طرح بوئے جاتے ہیں۔ ناریل، کیلا، پپیتا، نبی وغیرہ کثرت سے قدرتی طور پر وہاں ہوتے ہیں لہذا

ان کے لئے خوراک کی کمی نہ تھی۔

یہ لوگ اِن جزائر میں پھیل گئے۔ ان میں باہمی لڑائیاں ہوتی تھیں اور جو شخص لڑائی میں مارا جاتا تھا یہ لوگ اُسے کھا لیتے تھے۔ سترھویں اور اٹھارھویں صدی عیسوی میں سفید فام اقوام ان جزیروں میں پہنچیں اور یہاں کی دولت سے متاثر ہوئیں۔ لیکن اس کے ساتھ ان کی مردم خوری سے خوفزدہ بھی ہوئے۔ یورپی ممالک اور امریکہ کی باہمی نوآبادیاتی دوڑ اور لُوٹ کھسوٹ کے باعث اِن جزائر کی حالت اتنی خراب ہوگئی کہ ۱۸۷۴ء میں فی جی کے سب سے بڑے سردار نے باقی قبائل پر بے حساب کشت و خون کے بعد فتح پائی اور پھر انگریزوں کو دعوت دی کہ وہ آکر اِن جزائر پر قبضہ کرلیں۔ اس کے بعد سے یہ جزائر انگریزوں کی ایک شاہی نوآبادی بن گئے۔

ہندوستانیوں کی آمد:- انگریزوں نے دیکھا کہ یہ سرزمین بھی بعض دیگر نوآبادیات کی طرح گنّے کی کاشت کے لئے نہایت موزوں ہے تو اسکی طرف توجہ کی گئی۔ مقامی لوگوں کو تو اس کی ضرورت نہیں تھی اور نہ ہی وہ کھیتی باڑی کرنا جانتے تھے اسلئے کام کے لئے پہلے چینیوں کو یہاں لایا گیا لیکن وہ بھی ناکام رہے۔ اس کے بعد ہندوستانیوں کو یہاں پہنچایا گیا لیکن دو باتوں کا خیال رکھا گیا۔ ایک تو یہ کہ ان مزدوروں کی عمر تقریباً ۱۶ سے ۱۸ سال کی ہو اور دوسری یہ کہ کوئی مذہبی رہنما مثلاً پنڈت یا مولوی یہاں نہ آسکے تاکہ کوئی مذہبی منافقت یا اوقات عبادت وغیرہ ان کے کام میں حائل نہ ہوسکیں شروع میں لڑکیوں کا داخلہ ممنوع رکھا گیا لیکن پھر تقریباً ۴۰ فیصد کی اجازت دی گئی جس کا قدرتی طور پر اخلاق پر خراب اثر پڑا۔ آہستہ آہستہ ہندوستانی تاجر، نجار، لوہار وغیرہ بھی پہنچے اور وہ اپنے اہل و عیال کے ہمراہ آئے یا فی جی میں پیدا شدہ لڑکے لڑکیوں سے بیاہ شادیاں کیں۔ ہندوستان سے آنے والوں میں کثیر تعداد ہندوؤں کی تھی لیکن مسلمان بھی آئے۔ ان کی تعداد بمشکل دس پندرہ فیصد تھی۔ چنانچہ یہی نسبت اب بھی برقرار ہے۔ ہندوستانیوں کی آبادی اِس وقت جزائر کی کُل آبادی کے نصف سے زیادہ ہے۔ دوسرے نمبر پر حبشی النسل لوگ ہیں جن کی آبادی ہندوستانیوں کی نسبت تقریباً تیس چالیس ہزار نفوس کم ہے۔ ہندوستانیوں میں شرح پیدائش حبشی النسل باشندوں کی نسبت بہت زیادہ ہے ۱۹۶۷ء میں جب راقم الحروف وہاں امیر اور مشنری انچارج تھا تو اخبار میں ایک ہندو کی وفات کی خبر درج تھی۔ اُس کی عمر ۷۸ سال لکھی تھی اور اُس کی اولاد اور اولاد در اولاد وغیرہ کی تعداد ۱۸۲ تھی۔ ہمارے ایک احمدی بھائی جو وہاں موٹر گاڑی چلاتے ہیں جب مَیں اُن سے ملا اور اُن کے بچوں کی تعداد دریافت کی تو کہنے لگے کہ میرے سترہ ۱۷ بچے ہیں اور اُن کی یہ اولاد ایک ہی بیوی سے ہے۔ اُن کی اپنی عمر پچاس سال کے لگ بھگ ہے۔

مجمع الجزائر کی کُل آبادی ساڑھے پانچ لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔ چند ہزار حبشی النسل لوگ ہیں اور چند ہزار سفید فام انگلستان، یورپ، امریکہ، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ سے وہاں گئے ہیں۔ ایک خاصی تعداد دوغلی نسل کے لوگوں کی ہے جن کو کیلوما کہتے ہیں اور جو زیادہ تر سفید فام اور حبشی النسل سے اور کچھ چینیوں اور حبشی النسل کے ملاپ سے پیدا ہوئی ہے۔ اس عیسائی مخلوط النسل کی لڑکیاں حسین و جمیل ہوتی ہیں اور نہ صرف یہ کہ انکی شادی جلد بآسانی ہو جاتی ہے بلکہ ان کی کشش دوسری آباد اقوام کے لئے ایک طرح سے خطرہ کا باعث ہے کیونکہ نوجوانوں کے ان لڑکیوں سے شادی کر لینے کی وجہ سے اُن کی اپنی قوم کی لڑکیوں کے رشتہ کے لئے مشکلات پیدا ہو گئی ہیں۔ سفید فام لوگ ان کو اپنے میں شامل نہیں کرتے اور نہ ہی حبشی النسل میں شمار ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے یہ لوگ احساس کمتری کا شکار ہیں اور آزادی ملنے کے بعد بددلی میں مبتلا ہیں۔

مذہب:۔ حبشی النسل لوگ جن کو کیوبتی کہتے ہیں اکثر و بیشتر عیسائی ہیں لیکن عیسائیوں میں شریعت کی منسوخی کی وجہ سے سوائے باپ، بیٹا اور رُوح القدس پر ایمان لانے کے کسی جُرم کے خلاف کوئی انجیلی تادیبی کارروائی نہیں ہے اور "کرنہ کر" والا معاملہ زبان تک محدود ہے ور جو چاہو کرو کیونکہ اُن کے نزدیک یسوع اُن کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ اس لئے کیوبتی قوم نے اپنے تمام رسوم و رواج جو وہ افریقہ سے ساتھ لائے اُن کو روایتی طریق سے مناتے ہیں۔ اور ان میں عیسائیت کا کوئی دخل نہیں۔ ان کی طرزِ زندگی ویسی ہی ہے جیسی افریقہ میں عیسائی حبشیوں کی ہے۔

عیسائیوں کی زیادہ تعداد میتھوڈسٹ چرچ سے تعلق رکھتی ہے۔ ان کے بعد رومن کیتھولک ہیں۔ تھوڑی تھوڑی تعداد میں اسمبلی آف گاڈ، کمبانڈ چرچ مشن، سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ اور یہووا وٹنس وغیرہ فرقوں میں شامل ہیں۔ چونکہ مغربی اقوام امیر ہیں اس لئے دیگر ترقی پذیر علاقوں کی طرح یہاں بھی روپیہ پانی کی طرح بہاتے ہیں۔ رہنے کو مفت مضبوط چادروں کی جھونپڑیاں بنوا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بے شک اپنے مذہب پر قائم رہو لیکن اتوار کے دن گرجا میں آجایا کرو اور اپنے اور بچوں کے لئے مفت کپڑے اور مٹھائی وغیرہ لے جایا کرو۔ ایک دو سال کے بعد پادری لوگ ان مکینوں کے پاس آکر مطالبہ کرتے ہیں کہ یا تو عیسائیت قبول کرو یا جھونپڑیوں کو خالی کرو۔ غریب جاہل لوگ جو مفت اشیاء لیکر فقیر بن گئے ہوئے ہیں چاروناچار عیسائیت قبول کر لیتے ہیں اور پادری ان کے بچوں کی تعلیم کا مفت انتظام کر دیتے ہیں بلکہ آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، امریکہ وغیرہ اعلیٰ تعلیم کے لئے وظیفہ دیکر

بھجوا دیتے ہیں۔ لوگ ان کے زر، زن، ذہن کے جال میں ایسے پھنستے ہیں کہ نکلنا مشکل ہوتا ہے۔ پھر عیسائیت اپنے ساتھ شراب نوشی، آزادی اور جنسی بے راہ روی لاتی ہے اور اس طرح سے انسانی زندگی حیوانیت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

جو لوگ عیسائیت قبول نہیں کرتے لیکن انکے ساتھ روابط قائم رکھتے ہیں ان میں بھی یہ بد عادات داخل ہو جاتی ہیں۔ چونکہ فجی برطانیہ کی نو آبادی رہی ہے اسلئے وہاں بچے تعلیم حاصل نہیں کر سکتے جبتک عیسائیت اختیار نہ کریں۔ جو لوگ اپنے مذہب پر قائم رہتے تعلیم کے حصول کی خاطر وہ اپنے بچوں کے نام کے ساتھ عیسائی نام شامل کر لیتے مثلاً جیک امیر الدین وغیرہ۔ اب ایسے لڑکے کو سکول میں جیک کے نام سے پکارا جاتا ہے اور امیر الدین صرف رجسٹر میں رہتا تھا ✣

(باقی)

محترم جناب عطاء محمد صاحب
پروفیسر جامعہ احمدیہ ۔ ربوہ

میرا سفرِ کاغان

بڑی دیر سے میری یہ دلی خواہش تھی کہ میں کسی طرح کاغان کی سیر کروں۔ اسی نیت سے آج سے چار سال قبل میں ایبٹ آباد سے بالاکوٹ گیا مگر وہاں پہاڑوں کی اونچائی اور سڑک کی تنگی دیکھ کر مجھے حوصلہ نہ ہوا کہ میں اس وادی میں قدم رکھ سکوں۔

اس سال چھٹیاں ہوتے ہی ۱۸ جولائی کو میں گھر سے ایبٹ آباد کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ اس نیت سے میں پہلے لاہور گیا کیونکہ وہاں سے سیدھی گورنمنٹ ٹرانسپورٹ مانسہرہ کے لئے جاتی تھی۔ مگر اس دفعہ گورنمنٹ نے وہ سروس ہی بند کر دی۔ لہٰذا میں گورنمنٹ بس میں پہلے راولپنڈی پہنچا اور وہاں سے ایک دوسری بس میں ایبٹ آباد چلا گیا۔ وہاں میں نے احمدیہ مسجد میں قیام کیا جہاں ہر قسم کی سہولتیں بآسانی بہم پہنچ جاتی ہیں۔ قریباً ایک مہینہ کے بعد جامعہ احمدیہ کی ایک پارٹی جو ہر سال ہائیکنگ کے لئے کہیں نہ کہیں جاتی رہتی ہے مکرم قریشی نور الحق صاحب تنویر کی قیادت میں ۹ اگست ۱۹۷۲ء کو ایبٹ آباد آ گئی۔ یہ پارٹی کاغان جا رہی تھی۔ میں نے مولوی چراغ دین صاحب مربی سلسلہ عالیہ احمدیہ سے درخواست کی کہ وہ مکرم تنویر صاحب سے میری سفارش فرمائیں کہ وہ مجھے بھی ساتھ لے چلیں۔ اس کے ساتھ ہی میں نے مکرم قریشی صاحب سے بمنت عرض کیا کہ وہ مجھے بھی اپنے ہمراہ لے چلیں۔ ۱۰ اگست کو صبح جب پارٹی بالاکوٹ کے لئے تیاری کر رہی تھی مکرم تنویر صاحب نے مجھے فرمایا کہ آپ بھی تیار ہو جائیں اور میں مختصر سا بستر باندھ کر تیار ہو گیا۔

گورنمنٹ کی بس پر صبح ۷ بجے کے قریب یہ پارٹی بالاکوٹ کے لئے روانہ ہوئی اور ہم بخیر و عافیت اسی دن دوپہر کے وقت بالاکوٹ پہنچ گئے۔ وہاں پی۔ ڈبلیو۔ ڈی کے بنگلے میں رات قیام رہا۔ حضرت سید احمد صاحب بریلوی شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہو کر دعا کی۔ اسکے بعد پارٹی کے کچھ ممبر سید اسماعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر مع مکرم تنویر صاحب حاضر ہوئے اور دعا کی۔

اس بنگلے میں مٹی کے ایک تھڑے پر ایک ۲۴۰ پونڈ وزن کا پتھر رکھا ہوا ہے اور اس پر لکھا ہوا ہے Mar yam e stone جس کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی خاکسار نے ہر چند کوشش کی مگر افسوس ہے کہ کسی قسم کی کوئی واقفیت حاصل نہ ہو سکی۔ اگلی صبح گورنمنٹ ٹرانسپورٹ بالاکوٹ سے $6\frac{1}{2}$ بجے روانہ ہوئی اور قریباً بارہ بجے کاغان پہنچ گئی۔ وہاں سب نے شاہین ہوٹل میں کھانا کھایا۔ وہاں تنور کی تازہ تازہ روٹیاں اور سالن ایسا کہ گھر میں بھی مشکل سے پک سکے، ایسا لطف دے رہا تھا جسکی یاد مدتوں کم از کم میرے دل میں تازہ رہیگی۔ کاغان سے آگے ناران کُل ۱۳ میل تھا مگر جیپ کا کرایہ ۲۵/- مانگتے تھے۔ مکرم قائد قافلہ نے ایک جیپ

میں شمولیں اس خاکسار کے چار آدمیوں کو سوار کرادیا۔ کچھ بستر وغیرہ بھی رکھ دیئے اور باقی پارٹی ناران کیلئے پیدل روانہ ہوگئی۔ یہ جیپ ۴ بجے ناران جا پہنچی۔ پیدل قافلہ بھی رات گئے دیر سے بخیریت ناران پہنچ گیا۔ وہاں بھی پی۔ ڈبلیو۔ ڈی کے ایک بنگلے میں قیام ہوا۔ اگلے دن میں صبح ہی صبح ناشتہ کے بعد دیکھ رہا تھا کہ وہاں پھل کونسا اچھا ہے کیونکہ ایبٹ آباد میں اس سال سیب اور ناشپاتی بہت ہی کم مقدار ملتی تھی۔ دائیں ہاتھ ایک رستہ جاتا تھا جسکے موڑ پر لکھا ہوا تھا ــــ جھیل "Saiful mulook" یہ سائن بورڈ پڑھ کر میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور شوقِ دیدار نے مجھے بیقرار کردیا۔ میں اکیلا ہی اس راہ پر چل پڑا۔ تھوڑی تھوڑی دُور چل کر اپنے قافلہ کو دیکھتا جاتا تھا کہ کہیں آتا ہے یا نہیں۔ مجھے راہ میں کئی لوگ ملے۔ جب میں اُن سے پوچھتا کہ سیف الملوک کتنی دُور ہے تو کوئی تین کوئی چار میل بتلاتا مگر ساتھ ہی مجھے نصیحت کرتا کہ تم بوڑھے ہو، چڑھائی بڑی سخت ہے "نہ جاؤ" گھر میں جاکر ایک پیالے میں پانی ڈال کر دیکھ لینا ایسی ہی سیف الملوک ہے۔ مگر میں یہ کہہ کر کہ جہاں سے آگے چلنے کی سکت نہ رہے گی میں واپس آجاؤں گا اُن کی ایک نہ سُنتا اور دل میں نہایت عاجزانہ اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کرتا کہ الٰہی! ان آنکھوں کو سیف الملوک دکھا دے۔ راستے میں کئی جیپیں آئیں اور گئیں۔ میں نے اپنی عمر کے لحاظ سے جیپ کا راستہ اختیار کرلیا اور استقلال سے دُعائیں کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔ جب میں نے ۲ میل کا فاصلہ طے کرلیا تو پارٹی کے چند ممبر بھی مجھے آملے مگر انہوں نے مجھے ایک وحشت ناک خبر سُنائی کہ دو لڑکے شارٹ کٹ کرتے ہوئے گر پڑے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا کہ انہیں کوئی زیادہ چوٹ نہیں لگی۔ وہ تیزی سے مجھ سے آگے نکل گئے مگر راہ میں ایک جگہ دم لینے کے لئے بیٹھ گئے۔ پہاڑوں کی فلک بوس چوٹیاں گہرے اور سیاہ بادلوں میں بڑا بھیانک نظارہ پیش کررہی تھیں۔ اور آخر جس بات سے میں ڈرتا تھا وہ ہوہی گئی یعنی بارش شروع ہوگئی۔ میں نے اپنا سویٹر اُتار کر سر پر رکھ لیا اور دُعا کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔ اتنے میں ایک پہاڑ کی چوٹی کا آخری موڑ جب آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سامنے جھیل سیف الملوک نظر آرہی ہے۔ اس اثناء میں مکرم تنویر صاحب بمع پارٹی کے جھیل کے کنارے پہنچ چکے تھے۔ میں بارش سے شرابور ہو رہا تھا۔ انہوں نے جب مجھے دکان کی طرف جو جھیل کے کنارے سے تھوڑی دُور بنی ہوئی ہے بڑھتے دیکھا تو دو لڑکوں کو ساتھ لیکر اپنے ہمراہ مجھے دکان پر لے گئے۔ عزیزم مظفر احمد نے بڑی ہمدردی سے میرا گیلا لباس اُتروایا اور اپنا ایک شارٹ کوٹ جو کافی گرم تھا مجھے پہننے کے لئے دیدیا۔ مکرم تنویر صاحب کے ارشاد کے مطابق مجھے دکان کے اندر لیجایا گیا جہاں چائے پک رہی تھی اور کافی الاؤ لگا ہوا تھا۔ وہاں میں سردی سے بہت حد تک محفوظ ہوگیا۔

یہاں بھی دکان کے سامنے ایک چبوترہ سا پتھروں کا بنا کر اس پر ایک پتھر رکھا ہوا تھا مکرم تنویر صاحب نے مجھے ارشاد فرمایا کہ آپ اس پتھر پر

بیٹھ جائیں یا کھڑے ہو جائیں۔ چنانچہ میں نے تعمیلِ
ارشاد کی تو انہوں نے میرا فوٹو لے لیا۔

اب ظہر اور عصر کی نمازیں سیف الملوک کے
پاس ادا کی گئیں۔ میرے وہاں پہنچنے سے قبل ایک
جیپ وہاں کھڑی تھی جس میں پانچ چھ سرکاری ملازم
سیر کرنے گئے ہوئے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے
فضل اور رحم کے ماتحت میری واپسی کا سامان فرمایا تھا۔
مکرم تنویر صاحب جب واپس آنے لگے تو جیپ والوں
سے کہا کہ ہم تو سب جوان ہیں اور پیدل ہی جانا ہے مگر
ہم میں ایک شخص بوڑھا ہے اُسے آپ جیپ میں ناران
لے جائیں۔ انہوں نے بڑی خوشی سے منظور کر لیا۔ چنانچہ
جب یہ پارٹی سیف الملوک سے واپس ہوئی تو میں وہاں
بیٹھا رہا۔ جب جیپ میں وہ لوگ سوار ہونے لگے تو
انہوں نے مجھے بھی آواز دیکر بڑی تعظیم سے اپنی جیپ
میں بٹھا لیا اور اس طرح میں آدھ گھنٹہ کے اندر اندر
ناران پہنچ گیا۔ مکرم ملک مبارک احمد صاحب سیف الملوک
نہ جا سکے کیونکہ ان کی ٹانگ میں اچانک درد شروع
ہو گیا تھا۔ اگلے دن پارٹی ٹاکنڈی کیلئے تیاری
کرنے لگی اور مکرم تنویر صاحب نے مجھے جیپ پر
سوار کرنے کا انتظام فرما دیا۔ جیپ ناران سے ۶½ بجے
صبح چلی اور بالاکوٹ بارہ بجے پہنچ گئی۔ ۸½ روپے کرایہ
خرچ ہوا۔ بالاکوٹ سے ایبٹ آباد بس کا کرایہ صرف
دو روپے میں ایبٹ آباد سے ۱۵ راگست ۱۹۷۱ء کو
ہائی لینڈ کی بس میں جو لاہور اور مانسہرہ کے درمیان
چلتی ہے صبح روانہ ہو کر پانچ بجے شام لاہور پہنچ گیا۔
فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

اس سفر میں مکرم تنویر صاحب نے مجھے ہر طرح
آرام پہنچانے کی کوشش فرمائی جس کے لیے میں تا زندگی
ان کا ممنون رہونگا۔ بعض طلباء نے میرے ساتھ بہت
محبت اور ہمدردی کا اظہار کیا۔ بالخصوص عزیزم
مظفر احمد صاحب، عزیزم عبدالقدیر صاحب اور
عزیزم مفتی احمد صادق صاحب نے ہر طرح میرے آرام و
آسائش کا خیال رکھا اور مجھے اس بات کا برملا اظہار
کرنے میں بے حد خوشی اور لذت محسوس ہوتی ہے کہ
جامعہ کی پارٹی کے تمام طلباء نے میرے ساتھ نہایت
محبت اور پیار کا ایسا سلوک کیا جو مجھے تا دمِ واپسیں
یاد رہے گا اور میں انشاء اللہ تعالیٰ سب کے لیے
دل کی گہرائیوں سے دعا گو رہوں گا۔ اور اللہ تعالیٰ
ان سب کو دنیا و آخرت میں اس ہمدردی اور خدمت
کی بہترین جزا عطا فرمائے آمین یا رب العالمین۔
آخر میں مجھے سب سے پہلے اپنے حقیقی مولا، رب العالمین
کا شکر کرنا چاہیئے جس نے ربوہ پہنچنے تک ہر طرح
میری حفاظت فرمائی اور لوگوں کے دلوں میں میری
ہمدردی اور محبت کا جذبہ پیدا کیا۔ پھر میں مکرم
تنویر صاحب اور جملہ ممبرانِ پارٹی کا تہ دل سے
شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میرے ساتھ حسن
سلوک میں تا بحدِ مقدور کوئی کمی نہیں کی۔

ایبٹ آباد کے قیام کے دوران عزیزم
نسیم مہدی صاحب، عزیزم شہزاد صاحب اور
پیارے ابراہیم بن یعقوب صاحب نے میرے

آرام و آسائش کے لئے جو ہمدردانہ رویہ اختیار کیا اس کے لئے میں ان صاحبان کا بھی شکر گزار ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ آخر میں یہ عرض کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا کہ وادی کاغان کی سڑک پر گورنمنٹ خاص توجہ دے رہی ہے۔ سڑک چوڑی بھی کی جا رہی ہے اور پختہ بھی بنائی جا رہی ہے۔ بعض جگہ تو سڑک ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے ماربل چپس کی بنائی گئی ہو۔ بالاکوٹ سے ۱۵ میل کیوائی ہے، وہاں سے ۱۲ میل مہانڈری اور وہاں سے ۱۱ میل کاغان اور کاغان سے ۲۳ میل ناران ہے اور وہاں سے جیپ کے رستے ۶ میل سیف الملوک ہے۔ سیف الملوک میں دو جگہ سے دائیں طرف سے اور ایک جگہ سامنے سے پانی آتا ہے اور جھیل میں پتھروں کی ایک دیوار بنا کر ایک موگا نکاس کے لئے رکھ دیا ہے۔ یہی موگا دریائے ناران کا منبع ہے۔

میں انشاء اللہ تعالیٰ اس علاقہ میں واقفیت نکالنے کی کوشش کروں گا اور میرا ارادہ ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ اگر میں زندہ رہا تو اگلے سال اس علاقہ میں کسی جگہ جا کر بچوں کو قرآن کریم پڑھانے کی کوشش کروں گا۔ وباللہ التوفیق۔ واللہ الموفق لکلّ خیرٍ وکمالٍ وبیدہٖ ازمّۃ الامانی والآمال۔

تبصرہ

"تحدیث نعمت"

مصنفہ محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب جج انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس

۲۰×۲۶/۸ کے سات سو سے زائد صفحات پر مشتمل یہ ضخیم کتاب محترم چوہدری صاحب کی خود نوشت سوانح ہے۔ یہ کتاب محترم چوہدری صاحب نے محض اپنی یادداشت کی بناء پر مرتب فرمائی ہے۔ عالمی عدالتِ انصاف کے صدر نے نہ صرف موضوع سے انصاف کیا ہے بلکہ اپنی ذات سے بھی پورا پورا انصاف کیا ہے۔ طرزِ نگارش میں سلاست اور سادگی کے باوجود دلچسپ، دلآویز اور سبق آموز ہونے کے لحاظ سے قاری پر اپنی گرفت مضبوط کرتی جاتی ہے۔ یہ کتاب سیاحت نامہ بھی ہے اور سیاست نامہ بھی۔ برصغیر کی جدوجہد آزادی کے مختلف ادوار، مسلمانانِ ہند کی جدوجہد آزادی اور اس میں بعض مخلص کارکن افراد اور جماعتوں کی مساعی، مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت اور ایک آزاد مملکت کے حصول کے لئے آئینی جدوجہد، قیامِ پاکستان کا پس منظر اور تقسیم ملک کے وقت سے انگریز اور ہندو کانگریس کی جملہ بے انصافیوں کی تفصیلات جاننے کیلئے ہر پاکستانی کیلئے اس کتاب کا مطالعہ ازبس ضروری ہے۔

کتاب میں بین الاقوامی شہرت کی بے شمار شخصیات سے تعارف حاصل ہوتا ہے اور مسئلہ کشمیر کی تفصیلات، عالمِ اسلام کیلئے پاکستان کی خدمات، مسئلہ فلسطین کی وکالت، ٹیونس، مراکش، الجزائر، سوڈان، صومالی لینڈ کی جدوجہدِ آزادی میں پاکستان کا کردار اور بیسیوں دوسرے اہم اور دلچسپ موضوعات کا پس منظر سمجھنے کیلئے ایک اہم دستاویز ہے۔

محترم چوہدری صاحب نے ایک مخلص اور باوفا دوست کی حیثیت سے اپنی زندگی میں متعارف ہونے والے احباب اور دوستوں کو جو پُرخلوص خراج عقیدت پیش کیا ہے اس سے آپ کے کردار پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

ایک تاریخی دستاویز ہونے کے علاوہ یہ کتاب ایک مثالی دوست اور ایک مثالی قانون دان کی سوانح ہے۔ ش۔م

ص۳ کاغذ اعلیٰ اور طباعت دیدہ زیب ہے البتہ کتابت کی اغلاط پائی جاتی ہیں۔ قیمت غیر مجلد ۱۵/- مجلد ۲۰/-

ملنے کا پتہ:- محمد احمد اکیڈمی ۱۸۔ رام گلی ۳ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور۔

عاصم صحرائی
ایم۔اے (نفسیات) گورنمنٹ کالج لاہور

(قسط اوّل)

پرورش کا فن

(یہ مضمون رابرٹ ای نکسن کی کتاب THE ART OF GROWING کا آزاد ترجمہ و تلخیص ہے۔

پرورش کے موضوع پر اب تک بے شمار مضامین اور کتابیں لکھی جا چکی ہیں لیکن اس مضمون کا اپنا رنگ ہے مصنف نے "پرورش" جیسے نازک موضوع پر نہ صرف قلم اٹھایا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ موضوع کے ساتھ پورا پورا انصاف بھی کیا ہے۔ مصنف نے اپنے لئے ایک نئی راہ منتخب کی ہے۔ گو یہ راہ "مشرقی والدین کے لئے اجنبی بھی ہے اور کٹھن بھی لیکن اس کے باوجود مجھے یقین ہے کہ یہ مضمون والدین کے نقطۂ نظر میں ایک خوشگوار تبدیلی کا باعث ہوگا) (عاصم صحرائی)

جوانی کو خوشیوں کا دور کہا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسانی زندگی کا یہ مشکل ترین دور ہے۔ آئیے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ "جوانی" کس شے کا نام ہے؟ جوانی نام ہے جسمانی اور ذہنی پختگی کا۔ یہ وہ دور ہے جب انسان اپنے بچپن کو ماضی کے دھندلکوں میں چھوڑ کر خود شباب کی حدود میں داخل ہوتا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب انسان دوسروں کی بجائے اپنے قویٰ پر زیادہ انحصار کرتا ہے۔

نوجوانوں کی تین قسمیں ہوتی ہیں:۔

۱۔ بالغ النظر (GROWER)

۲۔ ہم نوا (CONFORMER)

۳۔ سرکش (REBEL)

"بالغ النظر" اپنے گردوپیش کے بارے میں علم حاصل کرتا ہے اور پھر اس علم یا واقفیت کی بنیاد پر اپنی زندگی کا آغاز کرتا ہے۔ وہ کسی شے کو نہ تو یونہی قبول کرتا ہے اور نہ اسے مسترد کرتا ہے۔ بلکہ اس کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں مکمل واقفیت و آگہی حاصل کرنے کے بعد اسے قبول یا مسترد کرتا ہے۔ "ہم نوا" ہر بات کو بلا چون وچرا مان لیتے ہیں۔ وہ شے اس کے لئے "مفید" ہے یا "مضر" اس سے اسے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ اس کا کام تو "سرِ تسلیم خم" ہے۔ اس سے کوئی بات کہیئے، اس کا جواب "جی حضور" اور "جی ہاں" میں ملے گا۔ تیسری قسم "سرکش" کی ہے۔ یہ "ہم نوا" کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ خواہ آپ اس کے بھلے کی بات ہی کیوں نہ کریں اس کا جواب نفی میں ہی ہوگا۔ یہ تقسیم کافی حد تک قیاسی ہے کیونکہ یہ تینوں خصوصیات ایک

ہی نوجوان میں بیک وقت موجود ہو سکتی ہیں لیکن انہیں علیحدہ علیحدہ تلاش کرنا مشکل ہے۔ بہرکیف ان تینوں میں سے "بالغ النظر" نوجوان زندگی کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کی زندگی متوسط ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ "میانہ روی" پر کاربند ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس ہم نوا اور سرکش کے درمیان ابعاد موجود ہے یعنی یہ دونوں انتہا پر ہوتے ہیں۔

نوجوان کی مثال شہد کی مکھی اور پرندوں سے بھی دی جا سکتی ہے۔ آج تک پرورش کے موضوع پر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں تقریباً ہر ایک میں یہ مثال بدرجہ اتم موجود ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان ایک گہری مشابہت پائی جاتی ہے جس طرح شہد کی مکھی "چھتے" سے نکلتے وقت نہایت کمزور اور نحیف ہوتی ہے، نوجوان کی بھی یہی حالت ہوتی ہے۔ وہ بھی سماجی حضانت (SOCIAL INCUBATOR) سے آزاد ہوتا ہے۔ شہد کی مکھی کی طرح اس کی ٹانگیں بھی لڑکھڑاتی ہیں۔ وہ نہیں جانتا کہ وہ اس وسیع و ہمہ گیر دنیا میں اپنی زندگی کا آغاز کیسے کرے۔ اسے بدلتے ہوئے حالات واثرات کے بارے میں قطعاً کوئی تجربہ نہیں ہوتا۔ اس مشابہت کے باوجود ان دونوں میں ایک فرق بھی ہے۔ شہد کی مکھی اپنے گردوپیش سے بالکل نامانوس اور ناواقف ہوتی ہے جبکہ نوجوان سماجی حضانت سے ظہور کے وقت اپنی ذات اور اپنے ماحول سے پوری طرح آگاہ ہوتا ہے۔ گو اسے اس "وسیع دنیا" کا تجربہ نہیں ہوتا تاہم وہ اپنی یادداشت سے بھرپور فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ وہ ان ایام کو جبکہ وہ سماجی حضانت کے زیر اثر تھا، ذہن میں لا کر اپنی زندگی کا آغاز کر سکتا ہے۔

سماجی حضانت سے ظہور کے بعد وہ اپنے اور سماجی اثر کے بارے میں نہ صرف سوچ سکتا ہے بلکہ ان میں تفریق بھی کر سکتا ہے۔ یہ اہم ظہور (EMERGENCE) پندرہ سولہ برس کے درمیان واقع ہوتا ہے۔ "مدت" میں کمی بیشی ممکن ہے لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ بہت کم نوجوان اپنے ظہور سے آگاہ ہوتے ہیں۔ قریباً سترہ یا اٹھارہ سال کی عمر میں انہیں اپنے ظہور کا علم ہوتا ہے۔ چنانچہ متعدد نوجوانوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا ہے: "یہ وہ وقت تھا جب میں نے پہلی بار سوچنا شروع کیا۔" "میں نہیں جانتا کہ پندرہ برس قبل میں نے کسی شے کے بارے میں حقیقتاً سوچا ہو۔" "میں نے سترہ سال کی عمر میں یہ محسوس کیا کہ میرے والدین بھی عام لوگوں جیسے ہیں۔"

(باقی)

الاکو کے چار عظیم بونس
ٹرمنیل بونس کا انحصار کمپنی کے
اثاثوں کے منافع پر ہے یہ بونس
بیمہ شدہ رقم پر مستقل اضافہ نہیں ہے
بلکہ اسکی ادائیگی صرف ایک مرتبہ
موت یا پالیسی کی مدت پوری ہونے
پر ہوگی اور اس بونس کی شرح میں
کمی زیادتی یا بالکل بند ہونے
کا بھی امکان ہے۔
ا
ل
ا
ک
و
قائم شدہ سنہ ۱۸۹۲ء
آئیڈیل لائف ایشورنس کمپنی لمیٹڈ

Re d.No. L 5830
Tabligh 1351
February, 1972